



کمال احمد صدیقی کی آزاد
 نظموں میں روانی اور دلکشی
 کے ساتھ ساتھ بلند خیالی بھی
 ہے انکی آزاد نظموں میں
 جو موسیقیت مجھے دکھائی دی
 وہ بہت کم آزاد نظم نگاروں کے
 حصے میں آئی ہے

— سید احتشام حسین

۱۹۱۹ء ۳۱

۵ ۱۲۷

بادبان

اور
دوسری نظمیں

کمال احمد صدیقی

ہمارا ادارہ

نالیہ



Allama Iqbal Library



19225

ملنے کے پتے

(۱) حلقہٴ ار باب ذوق، لال باغ، لکھنؤ

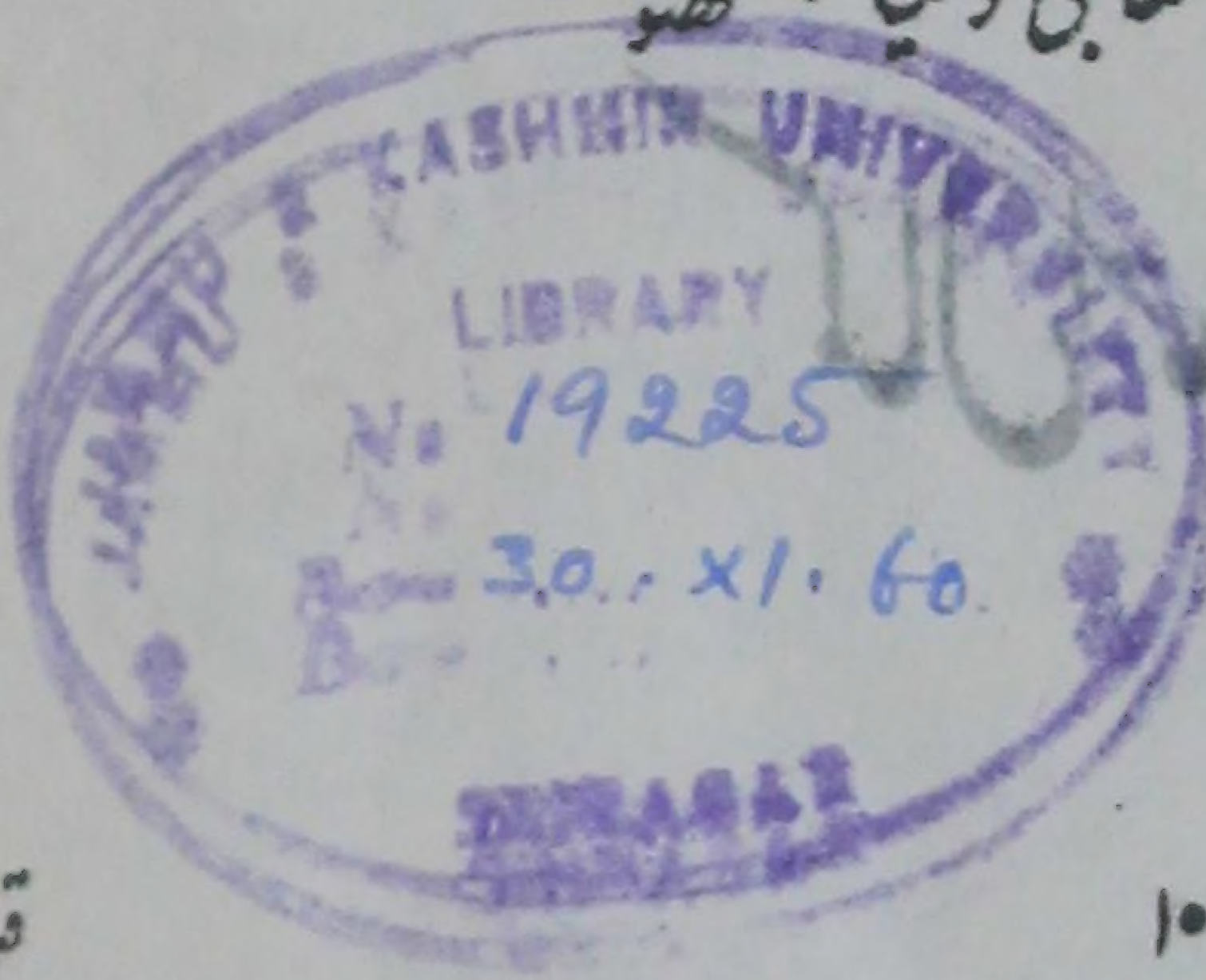
(۲) "ہمارا ادارہ" لکھنؤ

ST 01

(۳) مکتبہٴ ساتی، کراچی ۷

Ro

(۴) کتابی دُنیا، لکھنؤ



۱۸۲
۵۴

قیمت غیر

تعداد اشاعت ۱۰۰۰

مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ
پرنٹر و پبلشر کمال صدیقی

۱۱/۱۱/۵۵

سید رفیق حسین (مرحوم)

اور

شاہد احمد ہلوی

کے نام

(۱۵۹) نایب رئیس

۱۵۷

نایب رئیس

۱۵۸

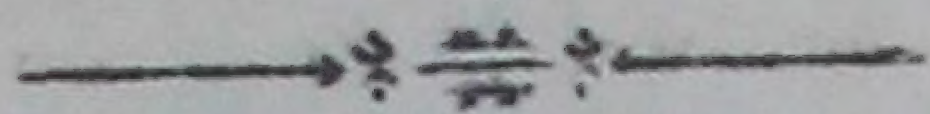
بادبان

سمندروں کی نیلگوں فضا ئے آب میں بھی رقص
کر چکا ہوں بارہا!
مرے لیے کوئی اُفتی — یہ آساں کی دستیں بھی اجنبی

نہیں

میں ان میں سیکڑوں ہزاروں زندگی کے گھیت آتشیں

دُھنوں میں گچکا!



کسی کو دُھونڈو نہ ہی رہا تھا — کون جانے کس کو دُھونڈو تھا
تھا میں؟

اہزار بار دُھونڈو تھا رہا ہوں جس کو موسموں کے مددگار میں
مگر نہ پاسکا؟

تارے ڈوبنے لگے اور آنکھوں کی شدت میں حجاب
بن کے رہ گئیں!

کسی کو دُھونڈو نہ ہی رہا تھا میں سحر کی نرم نرم، شبہیں
فضاؤں میں

کہ آپ آگئیں، اور آگے چھا گئیں سمندر اور آسمان
کی بے کراں خلاؤں میں

ہزاروں دستانیں بحرِ نیلگوں کی چشمِ ناز میں لیے ہوئے،
ہزاروں مہر و ماہ کی تخیلوں کا جسمِ آئینہ بنا ہوا۔ !!

میں سوچ ہی رہا تھا لہریں نضیبِ کائنات تو نہیں
کہ ایک لہر اٹھی جس کی برہمی کے سامنے مری تمام قوتیں
جباب بن کے رہ گئیں!

کنارِ آبِ ایک پل میں دیکھتے ہی دیکھتے میں پھر پڑا ہوا
تھاریت پر

مرے بدن کی ریت کا ہر ایک ذرہ ایک آئینہ تھا، اور جانے
 کتنے آفتاب بگڑ رہے تھے میرے جسم پر!

— — — — —

یہ میرا جسم خاک و خوں کا انسراج ہی تھی،
 ہزار میں گناہ گار ہوں تو کیا،
 یہ زلزلے، یہ آندھیاں، یہ برق و آتش و شرر مرے مزاج ہی تھی،
 نگر سکون پا کے جب بھی شادماں ہوا ہوں، گنگنا اٹھا ہوں، مسکرا
 دیا ہوں میں

مرے اس آہنی نعل کے آستان پر آسمان کی خشت بھی سجدہ ریز
 ہو گئیں!!



مگر بہت ہی دور آچکے ہیں ساحلوں کو چھوڑ کر!

اگر نہیں ہیں ناریل کے سائے سطح آب پر تو کیا ہوا؟

ہو ایں تیز ہیں تو کیا؟ یہ اریں شعلہ ریز ہیں تو کیا؟ اٹھاؤ

لنگر اور بادبان کھولو

میں جانتا ہوں، خوب جانتا ہوں، ایک کائنات اور بھی ہے

ماورائے کائنات!

بریں رہا ہوا امت آسمان سے چاندنی کے روپ میں،

زمین، زمیں کی کائنات کے لیے نمو ہے دھوپ میں،

مگر یہ برگ، یہ ثمر، یہ گلستاں بغیر رنگ کے تو کچھ نہیں!!

سارے ڈوبنے لگے تو کیا؟ یہ لہریں شعلہ ریز ہیں تو کیا

اٹھو۔۔۔ اور اٹھ کے کشتیوں کے بادبان کھول دو۔

یہ کون کہتا ہے کہ لہروں کا خدا کوئی نہیں؟

یہ لہریں خوب جانتی ہیں ساحلوں کا راستہ۔۔۔ !!!

(ساقی،

شعر — منتخب نظمیں

فصل اول در بیان احوال و عادات

در بیان احوال و عادات و عادات و عادات

در بیان احوال و عادات و عادات و عادات

در بیان احوال و عادات و عادات و عادات

وہ محل — وہ پائیں باغ

در بیان احوال و عادات و عادات و عادات

وہ محل وہ پائیں باغ !

کتنے رنگوں کا لطیف اک امتزاج ؛

ختم ہے آرائشوں پر اہتمام !

نور کا سرچشمہ اجسام جواں کی دل ربائی کی حسرت

اور سترت جن کی ادنیٰ سی شعاع

ڈھونڈھتی پھرتی ہے جس کو زندگی

کوچہ و بازار کی تاریکیوں میں صبح و شام۔!!

فخر و ذل، رقص کی پرچھائیاں، ہنگامہ مینا و جام۔

کتنے گم کردہ ہیں ان رنگیں فضاؤں کے مزاج؟

۔۔۔ وہ سب، وہ پائیں باغ،

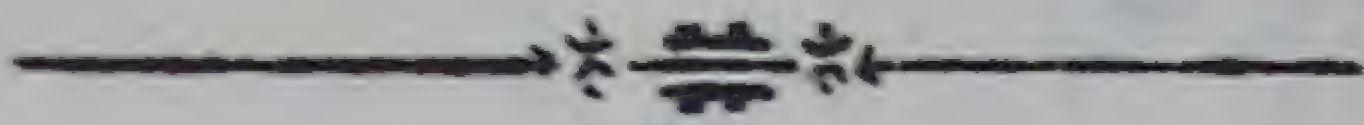
جن میں ہر شب، ہر شبِ ماہِ تمام!۔۔۔

ذہن کی اک اختراع؛

کچھ بھی۔۔۔

ان نفس گاہوں سے بڑھ کر روشن و تابندہ ہیں۔!!

ان کے لئے دعا ہے



میں تھک ہارا، پریشاں حال، کمزور و نحیف و ناتواں!

کارواں سالار لیکن منزلیں پا مال کرتا جا رہا ہوں۔ اور شہر ماہی نہیں!

کستور منجوس ہو چکی ہوئی یہ شاہراہ؟

جو مسافر اس سے گذرا، جیتے جی منزل نہ مل پائی اُسے!

— اک ذرا شہ راد سے بٹ کر ہیں وہ گڈنڈیاں،

ہلاتے سبز کھیتوں میں سبک اور صندلی انگریزائیاں،

سیمیں اہریں جس طرح بکر زمرود میں تھیں، اٹھ کر مجسم ہو گئیں!



بالیوں کے ریشیں پردوں ہی میں روپوش ہیں گہیوں کی کم سن

نوجواں رعنائیاں!

کر رہی ہے جن سے ہر موج ہوا اٹھکیلیاں

ہو رہی، میں جانے کیا سرگوشیاں؟

اور کھیتوں سے پرے

وہ ندی کی سیڑھیاں!

گمتنی را دھاؤں کا جھڑپ مے وہاں؟

— ❦ —

آہم کے باغات، امروہوں کے جھنڈ

میری قسمت میں کہاں؟

یہ دھواں

شعلے اور چنگاریاں !

یہ گرج، آپس میں ٹکراتے ہوں جیسے دو پہاڑ،

ان سے اب عاجز ہیں احساس و نظر۔!!



کس قدر ہموار ہے یوں دیکھنے میں شاہراہ؟

کھار ہا ہوں ٹھوکروں پہ ٹھوکریں !

راتہ میں جب کوئی منزل ملی

کارواں سالار چھیخ اٹھا کہ اک منزل ہے آگے اور ابھی !!



آج بھی بکھرے پڑے ہیں کتنے نظارے کمال

ایسے نظارے، جو دے سکتے ہیں نظروں کو پناہ!،
 ہائے لیکن وہ محل — وہ پائیں باغ —
 اب تو ہے ان کا تخیل بھی سرسبز —

وہ لاشیں بھی، ساہوکار بھی،
 (ساتی،)

اور لاشیں، لاشیں، لاشیں،

وہ لاشیں، لاشیں، لاشیں،

وہ لاشیں، لاشیں، لاشیں،

وہ لاشیں، لاشیں، لاشیں،

تو ان کو بالکل یاد ہے۔

ان کو

مجاز کے نام! ان کو یہ یاد ہے کہ اب ان کی یاد ہے۔

یہ کہیں ہے، یہ کہیں ہے، یہ کہیں ہے۔

”ساعر و اشکوں“

ان کو یہ یاد ہے

یہ ہرے جو دیکھے نہیں خواب میں بھی کبھی۔ ان کو پہچانتا ہوں

میں سب کے لیے اجنبی، سب مرے واسطے اجنبی۔ سب کو میں جانتا ہوں!

یہ کہیں ہے، یہ کہیں ہے، یہ کہیں ہے۔

یہ نظریں! کہہتی ہیں افکار و آلام سے کوئی رشتہ نہیں ہے

یہ لمحے! — یہ احساںِ رومانِ ہستی

یہ مستی!

یہ رفعت! — یہ اوجِ مئے ناب، جس کے لیے ہوتا ہی بلندیِ نہ ہستی

یہ ماحولِ زرّیں! — کہ کاغذ کے پھولوں میں ہے وہ سنہری چمک وہ

ردِ پہلی کھشش، تیلیوں کے گراں بارِ رنگوں

کی قیمت ہے سستی!!

— یہ نظریں، یہ لمحے، یہ رفعت، یہ ماحولِ زرّیں، یہ مستی!

یہ پردے دی حسرتیں چاہتے ہیں چھپانا جو سے تبسم میں دم توڑتی ہیں

کہ جس طرح لہریں خود اپنے تلاطم میں دم توڑتی ہیں۔!!

وہ گلرنگ شامیں۔ جو بھرتی ہیں رنگ اب بھی جھلے ہوئے دن کی بنیادیں

وہ گلزار صبحیں۔ کہ جن سے فروزاں ہیں بے خواب راتیں

وہ یادیں۔ کہ میری نگاہیں ہر اک رات جن کے لیے ماہ و انجم میں

دم توڑتی ہیں!

مگر زندگی ہے۔ زندگی کے لیے زندگی قص و نعمت کے رنگیں اشاروں پہ

قربان کرنا تو مشکل نہیں ہے

بھگنا۔ مئے ناب میں غرق ہو کر اسی ساحلِ گم شدہ پر ابھرنا تو

مشکل نہیں ہے!

مئے ناب کی ہے ہر اک موج طوفاں بداماں، مگر ساحلِ گم شدہ کے

قدم چومتی ہے!

وہ ساحل، وہ ساحل کے رئیس نظارے

جنہیں دیکھنے کو سافر کی ہر اک نظر ڈوبتے ڈوبتے بھی بھنور بن کے

نجد حار میں گھومتی ہے!

— وہ زہرہ، وہ نجم، وہ پرویں —

چلتے ہیں ساحل پہ کتنے تارے؟

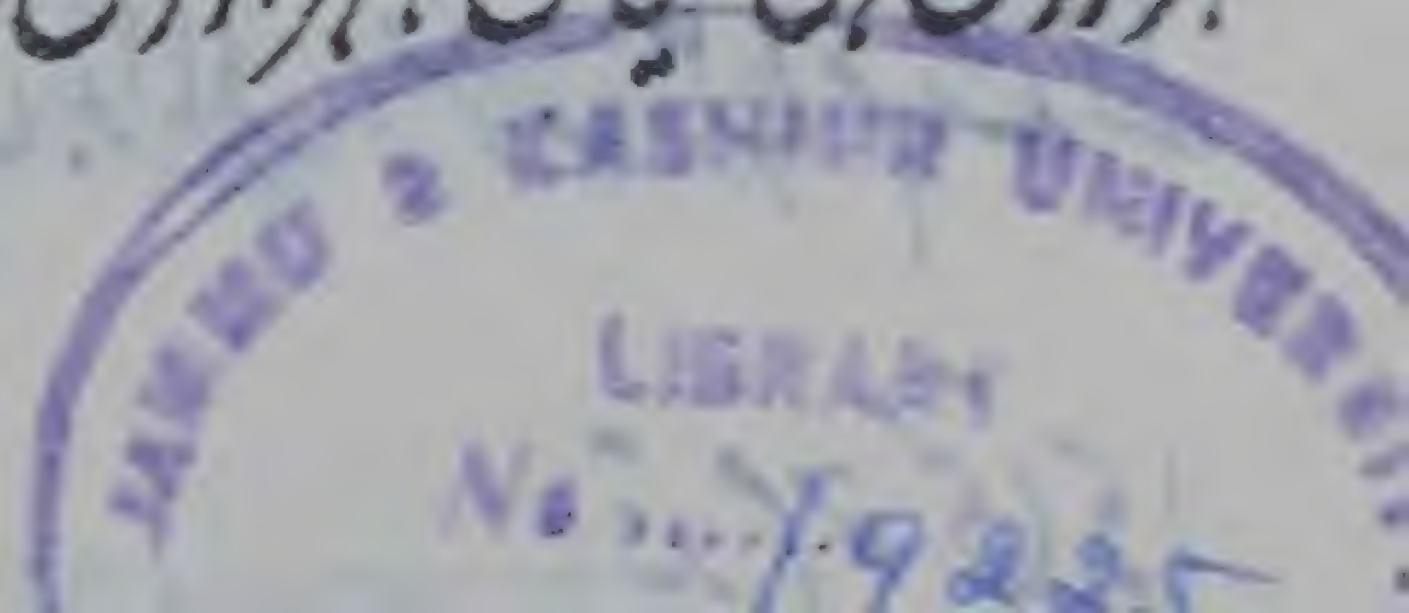
وہ زگنس، وہ فریں —

نہ جانے ہیں کتنی ہی نوخیز کلیاں کہ جن کے تنم کئے جا رہے ہیں

اشارے!

ہزاروں ہی کلیاں، ہزاروں تارے — کہ ہے ڈوبتے وقت

بھی ذہن حیراں کہ کس کو چاہئے!



صفتِ جام و مینا سے ہوتا ہوا، رقص کرتا یہ کون آرہا ہے؟

وہی یا سمیت ہے!

وہی جو کبھی زندگی ہے، کبھی زندگی کی تنہا، کبھی زندگی کا تقاضہ

وہی مر جاتی ہے!

— فرازِ تنہا تو کیا، جو کبھی دل کی گہرائیوں میں بھی بنا موش رہتی

نہیں ہے!

اسی زہرا کی تصویر کی سو گند لکین جو اس جام رنگین سے ٹکرا رہا ہو

حقیقت تو رنگین پردوں میں روپوش رہتی نہیں ہے،

حقیقت متاعِ فریبِ تخیل نہیں ہے!

— یہی یاسمیں جو پٹی آرہی ہے، مرے جام کا ایک عکسِ حسین ہے!

— اسی عکس سے کھیلے کھیلے میں نے سوچا ہے اکثر کہ دنیا ہے پر تو

اسی ساغرِ دواژگوں کا

کہ جس میں وہ ساحرِ خود اپنا تخیل فنا کر رہا ہے!

یہ دنیا ہے عالمِ اسکی کے جنوں کا

جو میری طرح اپنے زخموں میں خود بکلیاں بھر رہا ہے!

وہ رنگوں کا ساحرِ خدا ہے؟ — تو میں بھی ہوں فنِ کار، میں بھی

خدا ہوں!!

کبھی اس کی تنہائیوں پر ترس آتا ہے۔ اور کبھی سوچتا ہوں
 کہ اپنا چھلکتا ہوا جام ایسے اچھالوں کہ وہ ساغرِ وارگوں ٹوٹ جائے،
 تخیل کا رگیں فوں ٹوٹ جائے۔ !!!

لکھنؤ چاند

بیکار کا ایک نیا رنگ

یہ ساری باتیں کہہ کر

میں نے

جو مدتیں ہوئیں پھڑکے تھے۔ پھر نظر کو مل گئے!

ہوئیں گنگنا اٹھیں

فضائیں جگمگا اٹھیں

زمین و آسماں کی کائنات ناچنے لگی

حیات ناچنے لگی

حصارِ نورِ ماہتاب و کہکشاں میں رات ناچنے لگی!

فرخِ کاراۓی نظر کی شہ جو پانی تو خیال بھی نشاطِ رنگ سے

اشارے مانگنے لگے

فرازِ آسمانِ زندگی سے چاند مانگنے لگے، ستارے مانگنے لگے
 قدمِ حد و دنگ و خشت و آہن و سلاسلِ قیود سے ہمارے
 مانگنے لگے !



میں سوتے سوتے جاگ اٹھا
 کوئی جگانے آیا تھا
 کوئی جگانے آئے گا
 مگر تو ہونے دو ذرا — !

”پرچھائیں“

زنجیں منہگام تشہ کامی و کس مسیری سوائے نان شبیدہ کے اور کوئی
 تنہا بھی کی ہے میں نے؟
 غم و خوشی کے ہزار لمحے خود اپنی سانسوں کے آسے پر گزار ڈالے،
 اگر کبھی فرصت تخیل سکوں نے بخشی تو خواب دیکھے،

مگر میں جب چونک کر اٹھا ہوں تو اپنی کم مائیگی کی سوگند خود کو دھوکہ

نہیں دیا ہے!

فریبِ تخیل بکراں کو فریب سمجھا، حسین خوابوں کو خواب جانا

مگر گوارا کیا ہے میں نے

مست انگیز بنو دی کے سکون کو بھی فراغتِ اضطراب جانا

مگر گوارا کیا ہے میں نے

بہت ہی مجبور ہو گیا ہوں تو زندگی کو کبھی اشارہ کیا ہوں میں نے

مگر وہی زندگی کہ جس کا تصورِ رشت و جہنم سے کوئی ربطِ جنوں

نہیں ہے!

وہ بے ارادہ ہوا، مگر میں شباب کی دھڑکنوں کو اکثر بکا لیتا ہوں

نام لے کر!

اگر کبھی فرصت تخیل سکوں نے بھی تو خواب دیکھے

وہ غمچہ نوشناس گلشن، کہ درہ درہ لیے ہوئے قطرہ ہائے شبنم کے

اے عکس اپنے دل پر اُتار تا ہے!

وہ اک ترنم کہ بھیریوں میں کنول کی پریاں خاک ہواؤں پہ نرم ہوں

پہ چھڑتی ہیں۔!

توہ اک ترنم کہ جس کی دوشیزگی جاوید کوٹا چھوٹا غزال و رنگ شباب

مستی روئے خوابیں سنوارتے ہیں!

وہ ایک ساغر کہ جس سے نسیم کی لطافت چھلک رہی ہے

وہ کھنشاں جس پر کاروانِ فضاے تخیل رقص کرتا گذر رہا ہے !!

جوان مرگِ آرزوئیں معصومیت و تقدیس کے کفن سے نکل کے

اپنی برہنگی کی شگفتگی میں فریبِ نرالمبار کھا چکی ہیں

حیات کی ایک ایک تلخی خود اپنے بہروپ کے سراپوں میں پیاس

اپنی بجھا چکی ہے !!

تصرفِ زندگی کے عرصہ میں فرصتِ حشمِ دلب کہاں ہے؟

میں خود بھی اپنی شکستِ پاحسرتوں سے نا آشنا رہا ہوں — !!

(پنا دور)

”واپسی“

یہ جھاڑیاں — برہنہ جھاڑیاں، کہ جن میں کلیاں، کونپلیں، نہ پتیاں

نہ پھول ہیں :

سک رہی ہے ان پر سرد چاندنی تپاک و انہماک سے !

یہ انہماک بھی عجیب ہے

کہ جیسے کوئی روتے روتے وجہ گریہ بھول جائے !!

— ❦ —

زمین پر پڑی ہوئی خزاں رسیدہ پتیاں کسی حسین عہد کے خیال میں
کچھ اس طرح سے کھو گئیں،

کہ ان پر کتنی اوس پڑ گئی، انہیں خبر نہیں

— یہ پتیاں ! اور ان کا یہ سکوت بھی عجیب ہے !!

— ❦ —

نوک کا جو عملہ نہیں، کوئی پیام ہی نہیں، کہ نظرہ ہائے شبنم آج میں
وہ اشک جوتاڑوں سے نرک سکے!

مگر یہ پتیوں کی بے بسی عجیب ہے

کہ ان میں کوئی جند بہ، کوئی لہر ہی نہ اٹھ سکے !!

— ❦ —

زمین کا دل دھڑک رہا ہے آج بھی

یہ بات اور ہے کہ پٹیاں ہیں بے خبر — یہ تھجارِ یاں نہ سن سکیں

مگر وہ ماہِ تباب جانتا ہے — یہ ظلم باہمی عجیب ہے !

— ❦ —

ارے! — یہ کیا ہوا ؟

یہ مٹیوں کا رقص! — اور ہر ایک شاخ جھونے لگی !

نہیں! — یہ پٹیاں تو دانتِ پستی ہیں، اور کانپتی ہیں ڈالیاں

یہ برہمِ عجیب ہے !

زمین کو طعنے دے رہا ہے خود اسی کی کائنات؟

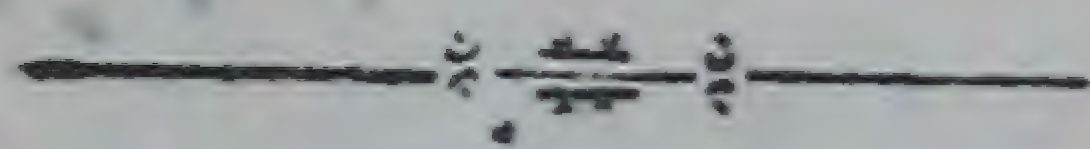
زمین! تیری زندگی عجیب ہے

کہ تو ہر ایک طعنہ سن رہی ہے، اور خموش ہے۔ کہ جیسے تو ہی

کہرے، تیرگی، دھوپ کی ذمہ دار ہے؟

— یہ بے وقوف پتیاں! — اور ان کی ہچکیوں کی یہ شکستگی

عجیب ہے !!



دھوپ کو جذب کر لے! فطرتِ زمیں کے یہ خلاف ہے

سحر تو ہو، شعاعِ ہر تارِ زیانہ بن کے آئے تو زرا

یہ کبرہ آسمان کی سمت بھاگ جائے گا!

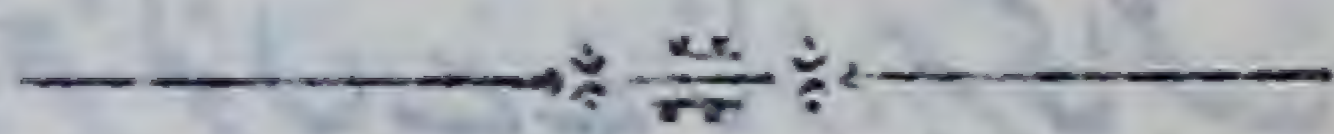
— زمین! تیری زندگی عجیب ہے!!



یہ پتیاں، اور ان کے طغے گردن ہی جائیں گے،

وہ گرد جو زمیں کی زندگی کا ایک جزو ہے!

یہ موت! — زندگی نواز دل لگی عجیب ہے! —!!



تسلی دے لی خود کو ماہتاب نے، اسی لیے تو چاندنی میں اُس تبسم

خیال کی بھی بے جھلک!

ابھی ابھی تو چند لمحے بشر ساک رہی تھی، اور مسکرا رہی ہے اب،

یہ چاندنی عجیب ہے!

تارے کچھ رہے ہیں چاندنی کی مسکراہٹوں کو زہر خند — یہ منہ ہی

عجیب ہے یا

کاتر ایک طرف سے دیکھنا اُن کی طرف سے دیکھنا

مگر سنو تو ماہِ تپاب کا ہے کیا خیال؟ —

”نہیں! — یہ راہبر نہیں، کسی بھی عہد کو یہ راہ کیا دکھائیں گے؟

زمین کے دل کی دھڑکنوں سے بے نیاز رہبری عجیب ہے!

”نہیں تو اپنے ٹوٹنے کی بھی کوئی خبر نہیں!! —

— ۳۷ —

فسیم نو بہار تو کہاں، اک جم گئیں ہوا کی سچ سے ہڈیاں

برہنہ جھاڑیاں، گری ہوئی یہ پتیاں — یہ بڑی عجیب ہے

کہ آج بھی مری نظر میں پھوٹی ہیں کوئلیں، وہ کھل رہے ہیں پھول،
اور جھاڑیوں پر رقص کر رہا ہے وہ حسین عہد، وہ سہاگ!



تارے چشم ہائے کوہ میں کہ جن میں دیکھنے کے نام پر ذرا بھی روشنی نہیں
ہر ایک جاگتی ہوئی نگاہ ان کو دکھاتی ہے۔ ان کی روشنی عجیب ہے!
مگر میں تجھ کو دیکھتا ہوں، گویاں سے دور۔ تو بہت ہی دور ہے،
یہاں تو تیرے سائے تاک کا کوئی شائبہ، کوئی گھٹان ہی نہیں۔



وہ گڑھ، جس میں نمیند کی کنواری پریاں نذرِ خواب ہائے نوکار و نوکفر
شباب لے کے آئی تھیں کبھی،

تری ہر ایک عسج آرزوئے نو کے واسطے سرتِ شبیہ کا خیال لائی

تھیں کبھی۔

— وہ خواب گاہِ ناز — تو اسی میں بند رہی ہوا آج رات؛

خوش ہچکیاں! — یہ تیرا عالمِ خیال — بنی ہو یا خودی

عجیب ہے — !!

جہان بھر کے طغے، اور تو اکیلی! — پھر بھی آنسوؤں سے قائم رہے؟

یہ طغے تو خزاں رسیدہ پتیاں ہیں، جن کی پائمال آرزوئیں سرور

تیرگی میں چمکتی ہیں، بن تھیں سوائے چمکنے کے اور کام ہی نہیں!

وہ پتیاں! — تاروں کے بھی آنسو جن پہ کچھ اثر نہ کر سکیں۔!!

تو آنسوؤں سے فائدہ ہے؟ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈال
 خزاں رسیدہ پتیوں کے واسطے یہ اذن خود کشی عجیب ہے!
 یہ طعنے تیری زندگی کا جزو بن گئے تو لیا ہوا، کہ میں ابھی مرا نہیں
 میں اتنی دور سے بھی سن رہا ہوں تجھے دل کی دھڑکنیں!



”سہاگ بھی نہ دیکھ پائی۔ اور بیوگی سے بھی خراب زندگی!
 ”یہ بے رُخی عجیب ہے
 ”یہ بے کسی، یہ بے بسی، یہ شاہکار زندگی۔ عذاب ہے،
 وبال ہے،

”تمہاری دوستی عجیب ہے!“

سمجھ رہے ہیں میرے وعدوں کو فریب تیسے کرا شک؟

فریب کار، اور میں؟ — نہیں! نہیں!!

میں آگیا — نظر اٹھا کے دیکھ تو — میں آگیا،

میں آگیا!!

دھویں کی راہ میں کٹی ہوئی، سفر کی گرد میں اتنی ہوئی یہ زندگی

عجیب ہے۔!!

تحرک

یہ آئینہ! جی چاہتا ہے اٹھا کر ٹپک دوں
کہ اپنا مذاق آپ اڑانے لگا ہوں!

اسی آئینہ کو کبھی میں نے بخشا تھا ہر نقشِ ہستی

مگر ایک بھی تو سر آئینہ آنہ پایا

وہاں سے سر ہٹتے مرے عکس کا شاہدہ تاک نہیں تھا!

کبھی سوچ لیتا ہوں میں — کاش ایسا نہ ہوتا،

جو ایسا نہ ہوتا تو میری نگاہیں فریب بہار گل و فستق میں سکوں

پارہی جاتیں!

مہ و ہر و انجم کے رنگیں مناظر نگاہوں کو میری ٹھٹھکنے نہ دیتے!

سر آئینہ ایک چہرے کو شکلیں بدلتے ہوئے دیکھنے کے عوض میں

کسی جھیل میں عکس توں قمرِ قمر دیکھ لیتا۔

خیالوں کی پر خار وادی میں کیوں ٹھوکریں کھاتا پھرتا؟

کسی غیر آباد وادی کے چھبے نے میں اک عالمِ زندگی مسکراتا ہوا،

گیت گاتا ہوا دیکھتا میں!

بدلتے ہوئے منظروں کے بدلتے ہوئے رنگ میری نگاہوں سے سرگوشیاں

کرتے رہتے

جواک دوسرے کو جگڑے تو دیتے ہیں لیکن فنا جن کی قسمت نہیں ہوتی،

— وہی رنگ جن کی ضرورت ہے میرے قلم کو، میرے شاہکاروں

کو جو صرف دھندھلے سے خاکے ابھاریں!



مگر کیا کروں میں کہ ہر بار جب آئینہ پر نظر ڈالتا ہوں

تغیر کا احساس دھندھلاتے سایوں میں اُڑتے ہوئے رنگ

کو گھورتا ہے!

ہاں اگر اس اُمیں — تو کیسے؟ — کہ اپنی ہی ہستی کی

پائندگی کی ضمانت نہیں ہو!



یہ اُمید جی چاہتا ہے اٹھا کر چل دوں

کہ جو نقش اس کو دئے تھے کبھی، اس کے ٹکڑوں میں شاید نظر آ ہی جائیں!

جو یہ سر ہی ہم شکل گھوڑی کے جلو، تو کیا تاب میں لاسکوں گا، یہی

سوچتا ہوں

یہ ہم شکل ہے سر! — وجود ان کا وابستہ ہے خود مجھی سے!!



تلاش سکوں تو نہیں شغلِ اُمید بینی

سکونِ دلی مضطرب کے لئے قید کرنا پڑے گا نظر کو، تخیل کو،
بیزاریوں کو !

میں خاکے بناتا رہوں گا، تصاویر میں رنگ بھرتا رہوں گا،
کہ شاید کوئی ان میں شہ کار ہو جائے
کہ خالق تو فانی ہے، تخلیق فانی نہیں ہے !!!

ساتھی

شام اودھ

جھٹپے میں جو پہاڑی سی نظر آتی ہے
ایک ویران کھنڈر، عظمتِ دیرنیہ کا مدفن ہے یہی!
سکر آبا کی ہزیمت کا اک افانہ کہے جاتا ہے!
یہ کھنڈر اپنی زبوں حالی پہ بھی راضی ہے،

پھر بھی میں اس کی زبوں حالی میں

اپنے اجداد کے اک عزم بغاوت کی جھلک دکھتا ہوں۔!!



میرے آقاؤں کی تہذیب کا دل

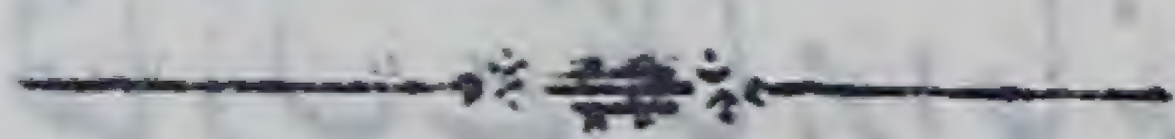
تاج کے سایہ ناپاک میں منحوس عمارت ہی تھی!

نصف شب تک اسی ویرانے میں

جہم آزاد رہا کرتے تھے، جذبات بھی آزاد رہا کرتے تھے،

مُو مینا کی گلابی ہو کہ شادابی حُسن،

میرے آقا یہاں ہر عیش سے سیراب ہوا کرتے تھے۔!!



—(۲)—

آسمان،

اور یہ بادل!

یہ پراسرار تلاہٹ،

یہ سفیدی،

یہ شفق کی سُرخی!

اور سرِ راہ یہ اٹلی کے درخت

جن کے سائے میں بہا کرتی ہے خاموش ندی!

اور وہ کھیت — وہ سرسوں کی بہاروں کے سنٹی سنبھل،

دور وہ اودی گٹھاؤں سے نکلتا ہوا چاند

مقبرہ پر وہ چلتا ہوا تنہا تارا۔!!



کتنے رنگوں کا طلبات ہے یہ دامنِ شام؛

اسی دامن پہ ہر اک قوسِ قزح سجدے کیا کرتی ہے۔!!

اسی دامن کی فضا ہے جس میں

اپنے اجداد کے اک عزمِ بناوت کی جھلک دکھتا ہوں۔!!!

(پھدن)

یا اللہ! آج کل کی طرح، پرہیز

— — —

میں کثرتاً، درجہ اولیٰ و ثانیہ

— — —

بگم سانی

— — —

ابر پارے،

تخت ہائے کوہ نور،

دوتے سورج کی کرنوں کے لیے آئینے ہیں!

ابر پارے،
آسماں پر نو بہاراںِ سلیمان کے خرام !

یا یہ بھولے ہیں کمال

تار ہائے سیم و زر سے جن کو زہرہ نے بنا

اور حوریں گارہی ہیں جن پہ نجاتِ ارم !

لہکشاں کی منزلوں کو چھوڑ کر

یہ توجہ،

یہ سہم — سوئے فردوسِ عدن ؟

جگمگاٹھے گی افسردہ گلوں کی انجمن !

— جیسے پرہی نہیں، نہر تقدس ہی نہیں — توں قمرِ ح کے

بابِ ہفت اور اقی پر۔



اور ایسے میں سرِ زرمُ افق

پھر بھی بل کھاتا ہے اٹھ اٹھ کر نہ جانے کیوں دھواں!

— دور یہ پر چھایاں،

گردیں لستی ہوئی پگڈنڈیاں

تھک کے آسنے سو گئیں!

— سرُ میا لہریں —

فضائے غم کے دل کی دھڑکنیں،

وسعتِ میدان و دشت و آبِ جو پر چھائیں!

— پھر کسی طوفان کے آثار پیدا ہو چکے

اور پارے منتشر ہونے لگے۔ !!



باغِ جنت کی بہاروں کی قسم

یہ فضائیں

اور یہ نظارہ ہائے دل نشیں

اہرمن کی سحر کاری ہی نہ ہوں — !!

فاصلے

بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام تھی؛
 اب اس جگہ کھڑا ہوں میں جہاں بلند و پست کچھ نہیں
 تعیناتِ ششِ بہت بھی کچھ نہیں!
 دوامِ کائنات کچھ اگر ہے — تو ہے فاصلہ،
 وہ گھاؤ جس کو وقت بھی نہ پوری طرح بھر سکا۔!!

وہی ہے اب بھی دُورِ صُبح و شام !
اگر وہ مرکزِ حیات اب نہیں رہا تو کیا ہوا؟



حیات اب بھی اک کشش ہے۔۔۔ اور کچھ نہیں !
کشش !۔۔۔ جو رنگ و رقص و چنگ کی فضا میں تھی
وہی ہے آج بھی۔۔۔ مگر

وہ رنگ۔۔۔ امتیازِ قوم کا خون ہے۔۔۔ نہیں تو خون ہے !
وہ شعر۔۔۔ اشتہار ہے !

وہ رقص۔۔۔ اب گداگری کا فنِ کام یاب ہے !
وہ چنگ۔۔۔ اب گل ہے چنگ کا،

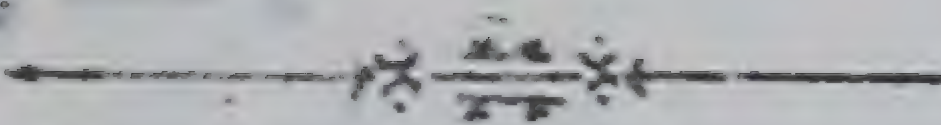
اگر نہیں! — تو ریل اور ٹلوں کی سیٹیوں کا شور ہو!

— حیات ایک چٹخ، ایک گونج، اک پکار ہے۔!!

ٹلوں کی سیٹیوں کا شور ہو!

یہ ریل گاڑیوں کی گھڑ گھڑاٹھیں! —

ابھی وہی ہیں فاصلے۔!!



وہ جنگ کا بگل بجا!

تغنیاتِ ششِ جہت نہیں رہے۔!!



بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام ہے۔!!! (نیا دور)

ازدخا دیو

”گوئنج“

جو صدیوں سے سوئی ہوئی تھی تہ برف وہ زندگی جاگ اٹھی!

وہ بر فانی ساحل گھلنے لگے،

سطح ہوا رہنے لگی

منجھ سینہ بحر میں سانس کی جنبشیں بھی ہویدا ہوئیں،

لہریں اٹھنے لگیں !



اگرچہ خلا میں بلندی و پستی کا مفہوم ہی کچھ نہیں ہے

تاروں نے فرسودہ محور کو چھوڑا !

ابھی تک تو محصور تھیں چاندنی کی دل آویزیاں آسماں تک

مگر چاند نے اپنے ہالے کو توڑا ॥

ان آسمانی کائناتوں کی آوازیں

وہ لہریں اٹھیں

چاند کو اپنی آغوش میں بھینچ لینے کی دیوانگی جاگ اٹھی !

جنوں خیز منگامہ خروید میں تاروں کی پرچھائیاں جاگ اٹھیں !

اے خداوندِ عالم! اے خداوندِ عالم!

وہ تو ماسکوتِ افق

اور وہ نورِ خمارِ مد و سال سے چور ہوتے ہوئے

تنہا جہلاں میں شب کی حسینہ کی انگریزیاں جاگ

اے خداوندِ عالم! اے خداوندِ عالم! اے خداوندِ عالم!

وہ حسنِ تخیل کی خوابیدگی جاگ اٹھی

ابیدیں

جو حسنِ تخیل کی خوابیدگی تھیں

نظاروں کی دوشیزگی بن گئیں

اور نظاروں کی بزائیاں جاگ اٹھیں !



تصور کی تابندگی جاگ اٹھی —

نگاہوں کی تنہائیاں جاگ اٹھیں !!

سحر کی فضاؤں کی رعنائیاں جاگ اٹھیں — !!!

(ادب لطیف)

بادل

بادل آتے ہیں، گھٹا چھاتی ہے

اندھی آتی ہے — گزر جاتی ہے سب کو لے کر

اور ہم سوئے زمیں، سوئے فلک، سوئے اُفق دیکھتے رہ جاتے ہیں!



یہ ملاقات و وداع

اور یہ کجہدہ ملاقات و وداع آخر

— ایک زنجیر، کہ جس کی کڑیاں

ٹوٹ جاتی ہیں نئے سلسلے پیدا کر کے

حلقہٴ دایم میں کچھ اور حسرتیں بھی لے آتی ہیں۔ ۱۱



انتظار —

کتنے پیمان و فائزے ہیں

ایک پیمان و فائزے کا خاطر

اور وہ افسانے جو پائیدہ انجام نہیں

کتنے افسانوں کا آغاز بنے۔ — ۹۱



عرصہ حشر بھی ماضی و مستقبل میں،

کتنے بھولے افسانے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں،

جن کو ٹھکرائے ہوئے عرصہ ہوا

آج صف باندھے مرے سامنے مینجانوں سے آہنچے ہیں۔!!

وہ تارے — نہ اٹھیں خواب میں نظریں جن پر

آج اس طرح اُتر آئے مرے ساغر میں

جیسے اب ان کی ضرورت نہیں رنگین شبتانوں میں۔!!



بھی ٹوٹے ہوئے ساغر، یہ نجوم

جو مرے ماضی و مستقبل میں:

میری بے نام تنائوں کو پہچانتے ہیں! —

میری تخیل کو آواز بھی دے سکتے ہیں! —

اک نئے سلسلہ شوق کو آغاز بھی دے سکتے ہیں!

— اور یہ لمحہ جو بنا بیٹھا ہے سرشارِ مئے ناب، حریفِ دوراں

اس کو اک سلسلہ شوق کے آغاز پہ انجام بھی دے سکتے ہیں!!



بادل آتے ہیں تو اک تیرگی چھا جاتی ہے

اور چھٹے ہیں تو یہ تیرگی پر چھائیں کے انداز سے خود میرے ہکا
سائے سے گزر جاتی ہو

اور میں دیکھتا رہ جاتا ہوں

اپنے ہی سائے کو پرچھائیں کو، پمانے کو

!!!

(نقشہ)

لکھنؤ، ۱۹۴۰ء
پیشانی

پیشانی

پیشانی

۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء

۱۹۴۰

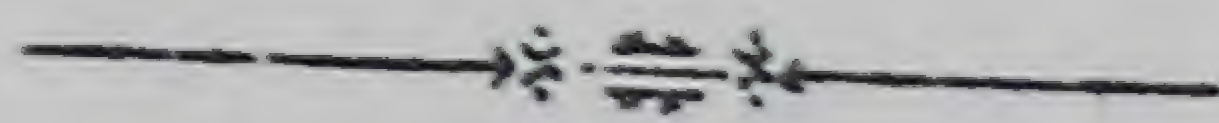
اک دماغ

پرورش پائی رہی جس میں حیات انقلاب

نوت کی تارکیوں میں سو گیا

درخونی انقلاب

لانا پایا اپنی کم ظرفی کی تاب :- !



ایک سینہ سینہ مشرق بھی تھا
رات بھر جس میں نوپا مارا تھا آفتاب
آج وہ سینہ بھی پھلنی ہو گیا
اور خونی آفتاب

بن گیا ہے سینہ مشرق کا داغ :- !!



(ہمارا ادب، ہنس)

”سہانی“

کوئی خواہش، کوئی حسرت ہی نہیں

اک سکوت، ایک جمود

چھا گیا وسعتِ احساس کی حد بندی پر!

قبرِ مفلس تو نہیں، پھر بھی شبتانِ وجود

بے نیاز شبِ تاریک ہے، بیگانہٗ تنویرِ سحر۔ !!



اب بھی اٹھتی تو ہے ہر منظرِ رنگیں پہ نظر
صرف باقی ہے شعور!

جیسے جذبات میں شدت ہی نہیں

کسی اقدام کی جرأت ہی نہیں!

ہچکیاں آنے لگیں

دور ہے کوئی احساس کی حد بندی سے دور !!



(کتابِ ہمایوں)

”رَدِ عَمَل“

ایک آنڈھی اٹھی، طوفان آیا۔
 مختلف سمت سے دھجھومتے بادل اٹھے
 جن کے سینوں میں، جواں سینوں میں
 یکرڑوں نکلیاں بے چین تھیں۔ لیکن خاموش۔



دونوں مادل بڑھی شدت سے ملے

گرم جوشی تھی مگر سرد نگاہی کی دلیل،

اک چک! — ایک گرج!

اور پھر کچھ بھی نہیں۔

بجلیاں مل گئیں آپس میں

ملتے ہی اپنی تڑپ کھو بیٹھیں — !!

— ❦ —

وہی بادل ہیں، مگر

ان کے سینوں کی رگیں — بجلیاں اب مروہ ہیں،

کوئی جذبہ، کوئی احساس نہیں !!!

دیکھا کرتا تھا وہ بھی

اور ایک ایک

دیکھا کرتا تھا

”کھنڈر“

افق میں گونجنے لگا

سیاہ اور مہیب بادلوں کا ایک کاررواں

فضائیں تھیں دھواں دھواں

گرج رہا تھا آسماں

کڑک رہی تھیں بجلیاں !

میں کانپنے لگا۔

نہ دیکھنے، نہ سوچنے، نہ فیصلے کا وقت تھا

بس ایک عزم اور ایک حوصلے کا وقت تھا

مگر یہ حجم ناتواں !

میں ہانپنے لگا۔



تھکے تھکے — بہت تھکے ہوئے تھے میرے ہات پاؤں

مگر تھی سامنے حسیں تجلیوں کی چھاؤں

افق سے تھوڑی دور مسکرا رہی تھی زندگی

اور اُس پر یہ شکلی —؛

بس ایک غنیمت اور ایک حوصلہ کا وقت تھا۔ ۱۱

—= ۶۵ =—

نقاب صبح اٹھ گئی

نہک رہی تھی زندگی کی اک عروسِ نو بہار

دک رہی تھی دورِ مشرقی افق میں روشنی

لہک رہا تھا بزمِ زار

پک رہی تھیں آبِ جو کی موج ہائے نغمہ بار

انہیں کے پاس میری اگلی عظمتوں کی یادگار

اک کھنڈر

اور اس پہ جھوٹی عظمتوں کا اک نشان
 کہ ”نیلگوں سمندروں کی چیخ، سُرخ ناگ، ابر کی سفید دھاریاں،
 — کسی کی جھوٹی عظمتوں کا یہ نشان
 کھنڈر پہ توڑتا تھا دم — کہ لے رہا تھا، بھکیاں — !!

—*~*~*

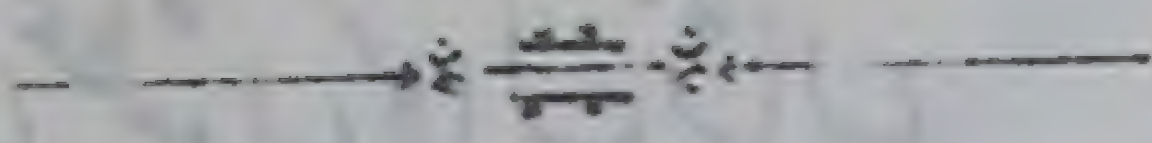
ہو ایں خوشگوار تھیں

مرے لیے!

فضائیں شعلہ بار تھیں،

مرے لیے،

وطن کی اگلی عظمتوں کی یادگار کے لیے — !!



سنہرہ آفتاب لمحہ بھر میں سرخ ہو گیا

ہیب وقت ٹل گیا

ہوا کا اک تھپیڑا — اور اس میں ایک شعاع — جھوٹی

عظمتوں کا یہ نشان خود ہی جل گیا



سرود ہائے نو بہار و رقص ہائے دل نواز

— وہ گومتی "کاجل ترنگ"،

لئے نظارہ ہائے نو نے بھی رباب چنگ

فضائیں چھپڑنے لگیں حیاتِ نو کا نرم ساز

مگر—!

ابھی اک اور سکر تھی،

ابھی اک اور سُلہ،

ابھی اک اور مرحلہ—

ہماری عظمتوں کے دو نئے نشان !

”خزاں، سفیدابر— اور بہار!“

”یہ سبز بھیل— اور عکسِ ماہِ نو میں قسمتوں کا اک حسین دیوتا“

ہیں اہم کس قدر ہماری عظمتوں کے یہ نئے نشان

سفید، زرد، سبز، سُرخ اور نیلے رنگ— !!

”...“ سوج

مری کھڑکی کے شیشہ پر
ابھی تک آخری شبنم کا قطرہ تھرتھراتا ہے
اسی شبنم کا قطرہ — جس نے کلیوں کو نو بخشی
فضائے انجم و مہتاب کی جس میں صبا حست ہو

وہی شبنم کا قطرہ تھر تھراتا ہے مری کھڑکی کے شیشہ پر



تارے ڈوبتے ہی چاندنی بھی ہو گئی مدھم

مگر وہ ایک تارہ اپنی تنہائی سے بے پروا شمالی وادیوں پر

سناٹا ہے!

وجودِ رہبرِ اعظم بھی اشکِ کسمیری ہے

نظامِ شب نے جس کو ستم قاتل جان کر بھی پی لیا اور خود کشی کر لی

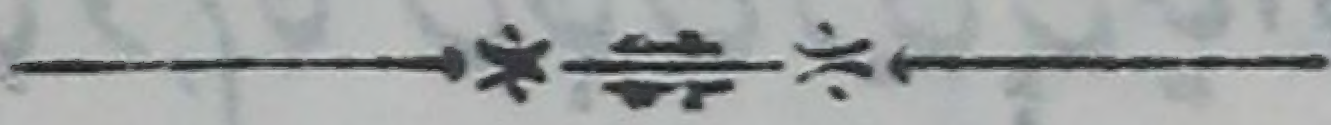


شبِ مہتاب کی آنکھوں کا اشکِ آخری شاید وہی تنہا تارہ ہو۔

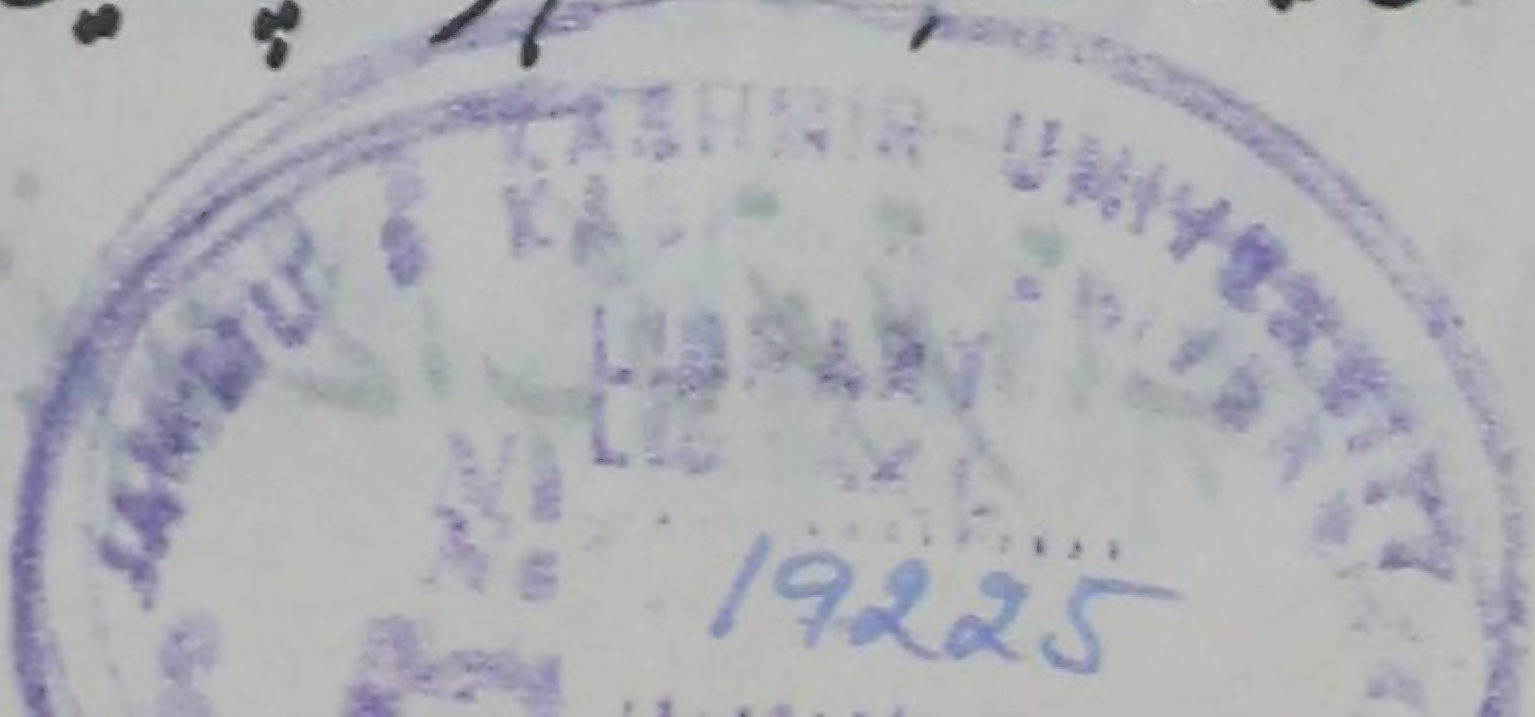
مری کھڑکی کے شیشہ پر جو شبنم بن کے اب بھی تھر تھراتا ہے!

حقیقت کیا ہو یوں تو ایک آنسو کی
مگر سورج کی جب ننھی کرن اس سے گزرتی ہے
تو رنگوں میں سنورتی ہے،
دھناک بن کر نکھرتی ہے!

حقیقت کیا ہے یوں تو سرد اور بے جان آنسو کی
کہ یہ قوس قزح کے رنگ سورج کی کرن کے کچھ عناصر ہیں!



وہ مشرق کے افق پر سُرخ لہریں تھر تھراتی ہیں
انہیں میں خونِ ماہِ وزہرہ و پرویں بھی شامل ہو۔۔۔!!



THE JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY.

DATE LOANED

Class No. 191451 Book No. ب 125

Vol. _____ Copy _____

Accession No. 19510

--	--	--

Title

Author

Accession No.

Call No.

Inventory
No.

Date
Recd.

Inventory
No.

Date
Recd.

Harvard University
Library

Copyright 1911 by
Harvard University
Printed in the
United States of America